اسلوب دعوت

قرآن و سیرتؐ کی روشنی میں

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

منشورات

اسلوبِ دعوت

قرآن و سیرتؐ کی روشنی میں

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

منشورات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

داعی الی اللہ' سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمتہ اللہ علیہ (۷۹-۱۹۰۳ء) نے تفہیم القرآن کے مقدمے میں لکھا ہے کہ= قرآن پاک ایک دعوت اور تحریک کی کتاب ہے۔ اسے تو آپ پوری طرح اسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب اسے لے کر اٹھیں اور دعوت الی اللہ کا کام شروع کر دیں۔ سیرت رسولؐ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کن کن مراحل اور منازل سے گزرے اور ان مواقع پر قرآن نے کیا رہنمائی دی۔ قرآن کا فہم حاصل کرنے کے لیے نہ صرف دعوت کے ان مراحل کا علم ہونا چاہیے' جن سے اللہ کے رسولؐ گزرے بلکہ اسوہ رسولؐ کے اتباع میں دعوت کا کام زندگی کا مشن ہونا چاہیے۔ یہاں ہم سیرت سرور عالمؐ سے وہ ہدایات پیش کر رہے ہیں جو دعوت دین کے لیے رسولؐ اللہ کو دی گئیں اور آج بھی دعوت کا کام کرنے والے ہر گروہ اور فرد کی ضرورت ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے عرب کے مشہور مرکزی شہر مکہ میں اپنے ایک بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیغمبری کی خدمت کے لیے منتخب کیا اور حکم دیا کہ اپنے شہر اور اپنے قبیلے (قریش) سے دعوت کی ابتدا کریں۔ یہ کام شروع کرنے کے لیے آغاز میں جن ہدایات کی ضرورت تھی' صرف وہی دی گئیں اور وہ زیادہ تر تین مضمونوں پر مشتمل تھیں:

- ایک، پیغمبرؐ کو اس امر کی تعلیم کہ وہ خود اپنے آپ کو اس عظیم الشان کام کے لیے کس طرح تیار کریں اور کس طرز پر کام کریں۔
- دوسرے، حقیقت نفس الامری کے متعلق ابتدائی معلومات اور حقیقت کے بارے میں ان غلط فہمیوں کی مجمل تردید جو گردوپیش کے لوگوں میں پائی جاتی تھیں، جن کی وجہ سے ان کا رویہ غلط ہو رہا تھا۔
- تیسرے، صحیح رویے کی طرف دعوت اور ہدایت الٰہی کے ان بنیادی اصول اخلاق کا بیان جن کی پیروی میں انسان کے لیے فلاح و سعادت ہے۔

شروع شروع کے یہ پیغامات ابتدائے دعوت کی مناسبت سے چند چھوٹے چھوٹے مختصر بولوں پر مشتمل ہوتے تھے، جن کی زبان نہایت شستہ، نہایت شیریں اور نہایت پُراثر اور مخاطب قوم کے مذاق کے مطابق بہترین ادبی رنگ لیے ہوئے ہوتی تھی، تاکہ دلوں میں یہ بول تیرونشتر کی طرح پیوست ہو جائیں، کان خود بخود ان کے ترنم کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ ہوں اور زبانیں ان کے حسن تناسب کی وجہ سے بے اختیار ہو کر انھیں دہرانے لگیں۔ پھر ان میں مقامی رنگ بہت زیادہ تھا-- اگرچہ بیان تو کی جا رہی تھیں، عالم گیر صداقتیں، مگر ان کے دلائل و شواہد اور مثالیں اس قریب ترین ماحول سے لی گئی تھیں جس سے مخاطب لوگ اچھی طرح مانوس تھے۔ انھی کی تاریخ، انھی کی روایات، انھی کے روز مرہ مشاہدے میں آنے والے آثار اور انھی کی اعتقادی و اخلاقی اور اجتماعی خرابیوں پر ساری گفتگو تھی تاکہ وہ اس سے اثر لے سکیں۔

دعوت کا یہ ابتدائی مرحلہ تقریباً چار پانچ سال تک جاری رہا (جن میں پہلے تین سال خفیہ دعوت کے تھے)۔ اس مرحلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا ردعمل تین صورتوں میں ظاہر ہوا:

۱- چند صالح آدمی اس دعوت کو قبول کر کے امت مسلمہ بننے کے لیے تیار ہو

گئے۔

۲۔ ایک کثیر تعداد جہالت یا خود غرضی کی بنا پر یا باپ دادا کے دین کی محبت کے باعث مخالفت پر آمادہ ہو گئی۔

۳۔ مکہ اور قریش کی حدود سے نکل کر اس نئی دعوت کی آواز نسبتاً زیادہ وسیع حلقے میں پہنچنے لگی۔

یہاں سے اس دعوت کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ اس مرحلے میں اسلام کی اس تحریک اور پرانی جاہلیت کے درمیان ایک سخت جاں گسل کش مکش برپا ہوئی جس کا سلسلہ آٹھ نو سال تک چلتا رہا۔ نہ صرف مکہ میں' نہ صرف قبیلہ قریش میں بلکہ عرب کے بیشتر حصوں میں بھی جو لوگ پرانی جاہلیت کو برقرار رکھنا چاہتے تھے' وہ اس تحریک کو بزور مٹا دینے پر تل گئے۔ انھوں نے اسے دبانے کے لیے سارے حربے استعمال کر ڈالے۔ جھوٹا پروپیگنڈا کیا' الزامات اور شبہات اور اعتراضات کی بوچھاڑ کی' عوام الناس کے دلوں میں طرح طرح کی وسوسہ اندازیاں کیں' ناواقف لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے سے روکنے کی کوششیں کیں' اسلام قبول کرنے والوں پر نہایت وحشیانہ ظلم و ستم ڈھائے' ان کا معاشی اور معاشرتی مقاطعہ کیا اور ان کو اتنا تنگ کیا کہ ان میں سے بہت سے لوگ دو دفعہ اپنے گھر چھوڑ کر حبش کی طرف ہجرت کر جانے پر مجبور ہوئے اور بالآخر تیسری مرتبہ ان سب کو مدینے کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ لیکن اس شدید اور روز افزوں مزاحمت کے باوجود یہ تحریک پھیلتی چلی گئی۔ مکہ میں کوئی خاندان اور کوئی گھر ایسا نہ رہا جس کے کسی نہ کسی فرد نے اسلام قبول نہ کر لیا ہو۔ بیشتر مخالفین اسلام کی دشمنی میں شدت اور تلخی کی وجہ یہی تھی کہ ان کے اپنے بھائی' بھتیجے' بیٹے' داماد' بیٹیاں' بہنیں اور بہنوئی دعوت اسلام کے نہ صرف پیرو بلکہ جاں نثار حامی ہو گئے تھے اور ان کے اپنے دل و جگر کے ٹکڑے ہی ان سے برسرپیکار ہونے کو تیار تھے۔ پھر لطف یہ ہے کہ جو لوگ پرانی

جاہلیت سے ٹوٹ ٹوٹ کر اس نوخیز تحریک کی طرف آ رہے تھے' وہ پہلے بھی اپنے معاشرے کے بہترین لوگ سمجھے جاتے تھے' اور اس تحریک میں شامل ہونے کے بعد وہ اتنے راست باز اور اتنے پاکیزہ اخلاق کے انسان بن جاتے تھے کہ دنیا اس دعوت کی برتری محسوس کیے بغیر رہ نہیں سکتی تھی جو ایسے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور انھیں یہ کچھ بنا رہی تھی۔

اس طویل اور شدید کش مکش کے دوران میں اللہ تعالیٰ حسب موقع اور حسب ضرورت اپنے نبیؐ پر ایسے پرُجوش خطبے نازل کرتا رہا' جن میں دریا کی سی روانی' سیلاب کی سی قوت اور تیز و تند آگ کی سی تاثیر تھی۔ ان خطبوں میں ایک طرف اہل ایمان کو ان کے ابتدائی فرائض بتائے گئے' ان کے اندر جماعتی شعور پیدا کیا گیا' انھیں تقویٰ اور فضیلت اخلاق اور پاکیزگی سیرت کی تعلیم دی گئی' ان کو دین حق کی تبلیغ کے طریقے بتائے گئے' کامیابی کے وعدوں اور جنت کی بشارتوں سے ان کی ہمت بندھائی گئی' انھیں صبروثبات اور بلند حوصلگی کے ساتھ اللہ کی راہ میں جدوجہد کرنے پر ابھارا گیا اور فداکاری کا ایسا زبردست جوش اور ولولہ ان میں پیدا کیا گیا کہ وہ ہر مصیبت جھیل جانے اور مخالفت کے بڑے سے بڑے طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

دوسری طرف مخالفین اور راہ راست سے منہ موڑنے والوں اور غفلت کی نیند سونے والوں کو ان قوموں کے انجام سے ڈرایا گیا جن کی تاریخ سے وہ خود واقف تھے۔ ان تباہ شدہ بستیوں کے آثار سے عبرت دلائی گئی جن کے کھنڈروں پر سے شب و روز اپنے سفروں میں ان کا گزر ہوتا تھا۔ توحید اور آخرت کی دلیلیں ان کھلی کھلی نشانیوں سے دی گئیں جو رات دن' زمین اور آسمان میں ان کی آنکھوں کے سامنے نمایاں تھیں اور جن کو وہ خود اپنی زندگی میں بھی ہر وقت دیکھتے اور محسوس کرتے تھے۔ شرک اور دعوے خودمختاری اور انکار آخرت اور تقلید آبائی کی غلطیاں'

یے بیّن دلائل سے واضح کی گئیں جو دل کو لگنے اور دماغ میں اتر جانے والے تھے۔ پھر ان کے ایک ایک شبہ کو رفع کیا گیا' ایک ایک اعتراض کا معقول جواب دیا گیا' ایک ایک الجھن میں جس میں وہ خود پڑے ہوئے تھے یا دوسروں کو الجھانے کی کوشش کرتے تھے' صاف کی گئی اور ہر طرف سے گھیر کر جاہلیت کو ایسا تنگ پکڑا گیا کہ عقل و خرد کی دنیا میں اس کے لیے ٹھہرنے کی کوئی جگہ باقی نہ رہی۔ اس کے ساتھ پھر ان کو خدا کے غضب اور قیامت کی ہولناکیوں اور جہنم کے عذاب کا خوف دلایا گیا' ان کے برے اخلاق اور غلط طرز زندگی اور جاہلانہ رسوم اور حق دشمنی اور مومن آزاری پر انھیں ملامت کی گئی' اور اخلاق و تمدن کے وہ بڑے بڑے بنیادی اصول ان کے سامنے پیش کیے گئے جن پر ہمیشہ سے خدا کی پسندیدہ صالح تہذیبوں کی تعمیر ہوتی چلی آ رہی ہے۔

یہ مرحلہ بجائے خود مختلف منزلوں پر مشتمل تھا جن میں سے ہر منزل میں دعوت زیادہ وسیع ہوتی گئی۔ جدوجہد اور مزاحمت زیادہ سخت ہوتی گئی' مختلف عقائد اور مختلف طرز عمل رکھنے والے گروہوں سے سابقہ پیش آتا گیا' اور اسی کے مطابق اللہ کی طرف سے آنے والے پیغامات میں مضامین کا تنوع بڑھتا گیا۔

دعوت حق کے لیے اصولی ہدایات

دعوت اسلامی کے اس کار عظیم کو انجام دینے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مفصل ہدایات دی گئیں' ان پر غور کرنے سے آدمی بآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ مکہ کے شدید مخالفانہ دور میں کس عظیم اخلاقی طاقت نے اسلامی تبلیغ کے لیے آگے بڑھنے کا راستہ صاف کیا اور کس موثر ترین تعلیم نے اس تبلیغ سے متاثر ہونے والوں کو خدا کی راہ میں ہر قوت سے ٹکرا جانے اور ہر مصیبت جھیل جانے پر آمادہ کر دیا۔ ذیل میں ہم ان ہدایات میں سے ایک ایک کو بیان کرتے ہیں:

۱- دعوت میں حکمت کا لحاظ

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (النحل ۱۶:۱۲۵)

"اے نبیؐ، اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ"۔

حکمت کا مطلب یہ ہے کہ بے وقوفوں کی طرح اندھا دھند تبلیغ نہ کی جائے بلکہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت، استعداد اور حالات کو سمجھ کر، نیز موقع و محل کو دیکھ کر بات کی جائے۔ ہر طرح کے لوگوں کو ایک ہی لکڑی سے نہ ہانکا جائے۔ جس شخص یا گروہ سے سابقہ پیش آئے، پہلے اس کے مرض کی تشخیص کی جائے، پھر ایسے دلائل سے اس کا علاج کیا جائے جو اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے اس کے مرض کی جڑ نکال سکتے ہوں۔

عمدہ نصیحت کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ مخاطب کو صرف دلائل ہی سے مطمئن کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ اس کے جذبات کو بھی اپیل کی جائے۔ برائیوں اور گمراہیوں کا محض عقلی حیثیت سے ہی ابطال نہ کیا جائے بلکہ انسان کی فطرت میں ان کے لیے جو پیدائشی نفرت پائی جاتی ہے، اسے بھی ابھارا جائے، اور ان کے برے نتائج کا خوف دلایا جائے۔ ہدایت اور عمل صالح کی محض صحت اور خوبی ہی عقلاً ثابت نہ کی جائے بلکہ ان کی طرف رغبت اور شوق بھی پیدا کیا جائے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ نصیحت ایسے طریقے سے کی جائے جس سے دلسوزی اور خیر خواہی ٹپکتی ہو، مخاطب یہ نہ سمجھے کہ ناصح اسے حقیر سمجھ رہا ہے اور اپنی بلندی کے احساس سے لذت لے رہا ہے بلکہ اسے یہ محسوس ہو کہ ناصح کے دل میں اس کی اصلاح کے لیے ایک تڑپ موجود ہے اور وہ حقیقت میں اس کی بھلائی چاہتا ہے۔

بحث و گفتگو کی نوعیت مناظرہ بازی اور عقلی کشتی اور ذہنی دنگل کی نہ ہو۔ اس

میں کج بحثیاں اور الزام تراشیاں اور چوٹیں اور پھبتیاں نہ ہوں۔ اس کا مقصود حریف مقابل کو چپ کرا دینا اور اپنی زبان آوری کے ڈنکے بجا دینا نہ ہو بلکہ اس میں شیریں کلامی ہو، اعلیٰ درجے کا شریفانہ اخلاق ہو، معقول اور دل لگتے دلائل ہوں۔ مخاطب کے اندر ضد اور بات کی پچ اور ہٹ دھرمی پیدا نہ ہونے دی جائے۔ سیدھے سیدھے طریقے سے اس کو بات سمجھانے کی کوشش کی جائے اور جب محسوس ہو کہ وہ کج بحثی پر اتر آیا ہے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ گمراہی میں زیادہ دور نہ نکل جائے۔

۲- ٹھنڈا اور سنجیدہ اسلوب

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ط اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ط اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ○ رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِکُمْ ط اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْکُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْکُمْ ط وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَکِیْلًا ○ (بنی اسرائیل ۱۷: ۵۳-۵۴)

"اور اے محمدؐ، میرے بندوں سے کہہ دو کہ زبان سے وہ بات نکالا کریں جو بہترین ہو۔ دراصل یہ شیطان ہے جو انسانوں کے درمیان فساد ڈلوانے کی کوشش کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ تمھارا رب تمھارے حال سے زیادہ واقف ہے، وہ چاہے تو تم پر رحم کرے اور چاہے تو تمھیں عذاب دے دے اور اے نبیؐ، ہم نے تم کو لوگوں پر حوالہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے"۔

یعنی اہل ایمان، کفار اور مشرکین سے اور اپنے دین کے مخالفین سے، گفتگو اور مباحثے میں تیز کلامی اور مبالغے اور غلو سے کام نہ لیں۔ مخالفین خواہ کیسی ہی ناگوار باتیں کریں، مسلمانوں کو بہرحال نہ تو کوئی بات خلاف حق زبان سے نکالنی چاہیے اور

نہ غصے میں آپے سے باہر ہو کر بیہودگی کا جواب بیہودگی سے دینا چاہیے۔ انھیں ٹھنڈے دل سے وہی بات کہنی چاہیے جو نپی تلی ہو' برحق ہو اور ان کی دعوت کے وقار کے مطابق ہو۔

اور جب کبھی تمھیں مخالفین کی بات کا جواب دیتے وقت غصے کی آگ اپنے اندر بھڑکتی محسوس ہو اور طبیعت بے اختیار جوش میں نظر آئے تو فوراً یہ سمجھ لو کہ یہ شیطان ہے جو تمھیں اکسا رہا ہے تاکہ دعوت دین کا کام خراب ہو۔ اس کی کوشش یہ ہے کہ تم بھی اپنے مخالفین کی طرح اصلاح کا کام چھوڑ کر اسی جھگڑے اور فساد میں لگ جاؤ جس میں وہ نوع انسانی کو مشغول رکھنا چاہتا ہے۔

اور اہل ایمان کی زبان پر کبھی ایسے دعوے بھی نہ آنے چاہئیں کہ ہم جنتی ہیں اور فلاں شخص یا گروہ دوزخی ہے۔ اس کا فیصلہ تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ خود نبی کا کام صرف دعوت دینا ہے۔ لوگوں کی قسمتیں اس کے ہاتھ میں نہیں دے دی گئی ہیں کہ وہ کسی کے حق میں رحمت کا اور کسی کے حق میں عذاب کا فیصلہ صادر کر دے۔

۳- داعی کی ذمہ داری

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ○ (الانعام ۶:۱۰۴)

"دیکھو' تمھارے رب کی طرف سے بصیرت کی روشنیاں آگئی ہیں۔ اب جو بینائی سے کام لے گا اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو اندھا بنے گا خود نقصان اٹھائے گا۔ میں تم پر کوئی پاسبان نہیں ہوں"۔

"میں تم پر پاسبان نہیں ہوں" یعنی میرا کام صرف اتنا ہے کہ اس روشنی کو تمھارے سامنے پیش کر دوں جو تمھارے رب کی طرف سے آئی ہے۔ اس کے بعد آنکھیں کھول کر دیکھنا یا نہ دیکھنا تمھارا اپنا کام ہے۔ میرے سپرد یہ خدمت نہیں کی

گئی ہے کہ جنھوں نے خود آنکھیں بند کر رکھی ہیں' ان کی آنکھیں زبردستی کھولوں اور جو کچھ وہ نہیں دیکھتے وہ انھیں دکھا کر ہی چھوڑوں۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ○ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ○ (الانعام ۶:۱۰۶-۱۰۷)

"اے نبیؐ' اس وحی کی پیروی کیے جاؤ جو تم پر تمھارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ اس کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔ اور ان مشرکین کے پیچھے نہ پڑو۔ اگر اللہ کی مشیت یہ ہوتی (کہ یہ لوگ شرک نہ کریں) تو یہ شرک نہ کرتے۔ تم کو ہم نے ان پر پاسبان مقرر نہیں کیا ہے اور نہ تم ان پر حوالہ دار ہو"۔

مطلب یہ ہے کہ تمھیں داعی اور مبلغ بنایا گیا ہے' کوتوال نہیں بنایا گیا۔ تمھیں ان کے پیچھے پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمھارا کام صرف یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے اس روشنی کو پیش کردو اور اظہار حق کا حق ادا کرنے میں اپنی حد تک کوئی کسر اٹھا نہ رکھو۔ اب اگر کوئی اس حق کو قبول نہیں کرتا تو نہ کرے۔ تم کو نہ اس کام پر مامور کیا گیا ہے کہ لوگوں کو حق پرست بنا کر ہی رہو' اور نہ تمھاری ذمہ داری و جواب دہی میں یہ بات شامل ہے کہ تمھارے حلقہ نبوت میں کوئی شخص باطل پرست نہ رہ جائے۔ لہٰذا اس فکر میں خواہ مخواہ اپنے ذہن کو پریشان نہ کرو کہ اندھوں کو کس طرح بینا کیا جائے اور جو آنکھیں کھول کر نہیں دیکھنا چاہتے' انھیں کیسے دکھایا جائے۔

اگر فی الواقع حکمت الٰہی کا تقاضا یہی ہوتا کہ دنیا میں کوئی شخص باطل پرست نہ رہنے دیا جائے تو اللہ کو یہ کام تم سے لینے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا اس کا ایک ہی تکوینی اشارہ تمام انسانوں کو حق پرست نہ بنا سکتا تھا؟ مگر وہاں تو مقصود سرے سے یہ

ہے ہی نہیں۔ مقصود تو یہ ہے کہ انسان کے لیے حق اور باطل کے انتخاب کی آزادی باقی رہے اور پھر حق کی روشنی اس کے سامنے پیش کر کے اس کی آزمایش کی جائے کہ وہ دونوں چیزوں میں سے کس کا انتخاب کرتا ہے۔ پس تمھارے لیے صحیح طرز عمل یہ ہے کہ جو روشنی تمھیں دکھادی گئی ہے' اس کے اُجالے میں سیدھی راہ پر خود چلتے رہو اور دوسروں کو اس کی دعوت دیتے رہو۔ جو لوگ اس دعوت کو قبول کر لیں انھیں سینے سے لگاؤ اور ان کے ساتھ نہ چھوڑو' خواہ وہ دنیا کی نگاہ میں کیسے ہی حقیر ہوں اور جو اسے قبول نہ کریں ان کے پیچھے نہ پڑو' جس انجام بد کی طرف وہ خود جانا چاہتے ہیں اور جانے پر مصر ہیں' اس کی طرف جانے کے لیے انھیں چھوڑ دو۔

۴۔ تبلیغ کا آسان طریقہ

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ○ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ○ (الاعلٰی ۸۷:۸-۹)

"اور اے نبیؐ ' ہم تم کو آسان طریقے کی سہولت دیتے ہیں' پس نصیحت کرو اگر نصیحت نافع ہو"۔

یعنی اے نبیؐ ' ہم تبلیغ دین کے معاملے میں تم کو کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتے کہ تم بہروں کو سناؤ اور اندھوں کو راہ دکھاؤ بلکہ آسان طریقہ تمھارے لیے میسر کیے دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ نصیحت کرو جہاں تمھیں یہ محسوس ہو کہ کوئی اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہے۔ اب رہی یہ بات کہ کون اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہے اور کون نہیں ہے؟ تو ظاہر ہے کہ اس کا پتا تبلیغ عام ہی سے چل سکتا ہے۔ اس لیے عام تبلیغ تو جاری رکھنی چاہیے مگر اس سے مقصود یہ ہونا چاہیے کہ اللہ کے بندوں میں سے ان لوگوں کو تلاش کیا جائے جو اس سے فائدہ اُٹھا کر راہ راست اختیار کر لیں۔ یہی لوگ تمھاری نگاہ التفات کے مستحق ہیں اور انھی کی تعلیم و تربیت پر تمھیں توجہ صرف کرنی چاہیے۔ ان کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کے پیچھے پڑنے کی تمھیں

کوئی ضرورت نہیں ہے جن کے متعلق تجربے سے تمھیں معلوم ہو جائے کہ وہ کوئی نصیحت قبول نہیں کرنا چاہتے۔

۵- اہمیت کے حامل لوگ

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (الانعام ۶:۵۲)

"اور اے نبیؐ ' جو لوگ اپنے رب کو رات دن پکارتے رہتے ہیں اور اس کی خوشنودی کے طلب گار ہیں' انھیں اپنے سے دور نہ پھینکو۔ ان کے حساب میں سے کسی چیز کا بار تم پر نہیں اور تمھارے حساب میں سے کسی چیز کا بار ان پر نہیں۔ پھر بھی تم انھیں دور پھینکو گے تو ظالم ہو گے"۔

جو لوگ ابتدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے' ان میں بکثرت ایسے بھی تھے جو غریب یا محنت پیشہ تھے۔ قریش کے بڑے بڑے سرداروں اور کھاتے پیتے لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر من جملہ دوسرے اعتراضات کے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ آپؐ کے گردوپیش ہماری قوم کے غلام' موالی اور ادنیٰ طبقے کے لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ وہ طعنہ دیا کرتے تھے کہ اس شخص کو ساتھی بھی کیسے کیسے "معزز" لوگ ملے ہیں' بلالؓ ' عمارؓ ' صہیبؓ ' خبابؓ۔ بس یہی لوگ اللہ کو ہمارے درمیان ایسے ملے ہیں جن کو برگزیدہ کہا جا سکتا تھا! پھر وہ ایمان لانے والوں کی خستہ حالی کا مذاق اڑانے پر ہی اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ ان میں سے جس کسی سے بھی کبھی کوئی اخلاقی کمزوری ایمان لانے سے پہلے ظاہر ہوئی تھی' اس پر حرف گیریاں کرتے اور کہتے تھے کہ فلاں جو کل تک یہ تھا اور فلاں جس نے یہ کیا تھا' آج وہ بھی اس "برگزیدہ گروہ" میں شامل ہے۔ چنانچہ اسی سورہ انعام کی آیت ۵۳ میں ان کا

یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ "کیا یہی ہیں وہ لوگ جن پر ہمارے درمیان اللہ کا فضل و کرم ہوا ہے؟" انھی باتوں کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ طالب حق بن کر تمھارے پاس آتے ہیں، انھیں ان بڑے بڑے لوگوں کی خاطر اپنے سے دور نہ پھینکو۔ اسلام لانے سے پہلے کوئی کسی غلطی کا مرتکب ہوا بھی تھا تو اس کی ذمہ داری تم پر تو عائد نہیں ہوتی۔

حضرت ابن ام مکتومؓ کا واقعہ

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں مکہ مکرمہ کے چند بڑے سردار بیٹھے ہوئے تھے حضورؐ ان کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش فرما رہے تھے۔ اتنے میں ابن ام مکتوم نامی ایک نابینا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے آپؐ سے اسلام کے متعلق کچھ پوچھنا چاہا۔ حضورؐ کو ان کی یہ مداخلت ناگوار ہوئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورہ عبس نازل ہوئی:

عَبَسَ وَتَوَلّٰی ○ اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی (عبس ۸۰:۱-۲)

"ترش رو ہوا اور بے رخی برتی اس بات پر کہ وہ اندھا اس کے پاس آگیا"۔

بظاہر کلام کے آغاز کا انداز بیان دیکھ کر آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ نابینا سے بے رخی برتنے اور بڑے بڑے سرداروں کی طرف توجہ کرنے کی بنا پر اس سورہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب فرمایا گیا ہے لیکن پوری سورہ عَبَسَ پر مجموعی حیثیت سے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دراصل عتاب کفار قریش کے ان سرداروں پر کیا گیا ہے جو اپنے تکبر اور ہٹ دھرمی اور صداقت سے بے نیازی کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ حق کو حقارت کے ساتھ رد کر رہے تھے، اور حضورؐ کو تبلیغ کا صحیح طریقہ بتانے کے ساتھ ساتھ اس طریقے کی خامی سمجھائی گئی ہے جو اپنی رسالتؐ کے کام کی ابتدا میں آپؐ اختیار فرما رہے تھے۔ آپؐ کا ایک نابینا سے بے

رخی برتنا اور سرداران قریش کی طرف توجہ کرنا کچھ اس بنا پر نہ تھا کہ آپؐ بڑے لوگوں کو معزز اور ایک بیچارے نابینا کو حقیر سمجھتے تھے' اور معاذاللہ یہ کوئی کج خلقی آپؐ کے اندر پائی جاتی تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے گرفت فرمائی' بلکہ معاملے کی اصل نوعیت یہ ہے کہ ایک داعی جب اپنی دعوت کا آغاز کرنے لگتا ہے تو فطری طور پر اس کا رجحان اس طرف ہوتا ہے کہ قوم کے بااثر لوگ اس کی دعوت قبول کرلیں تاکہ کام آسان ہو جائے' ورنہ عام بے اثر' معذور یا کمزور لوگوں میں دعوت پھیل بھی جائے تو اس سے کوئی بڑا فرق نہیں پڑ سکتا۔

قریب قریب یہی طرز عمل دعوت کی ابتدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اختیار فرمایا تھا جس کا محرک سراسر اخلاص اور دعوت حق کو فروغ دینے کا جذبہ تھا نہ کہ بڑے لوگوں کی تعظیم اور چھوٹے لوگوں کی تحقیر کا تخیل۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو سمجھایا کہ اسلامی دعوت کا صحیح طریقہ یہ نہیں ہے' بلکہ اس دعوت کے نقطہ نظر سے ہر وہ انسان اہمیت رکھتا ہے جو طالب حق ہو' چاہے وہ کیسا ہی کمزور' بے اثر' یا معذور ہو' اور ہر وہ شخص غیراہم ہے جو حق سے بے نیازی برتے' خواہ وہ معاشرے میں کتنا ہی بڑا مقام رکھتا ہو۔ اس لیے آپؐ اسلام کی تعلیمات تو ہانکے پکارے سب کو سنائیں' مگر آپؐ کی توجہ کے اصل مستحق وہ لوگ ہیں جن میں قبول حق کی آمادگی پائی جاتی ہو' اور آپؐ کی بلند پایہ دعوت کے مقام سے یہ بات فروتر ہے کہ آپؐ اسے ان مغرور لوگوں کے آگے پیش کریں جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو آپؐ کی نہیں بلکہ آپؐ کو ان کی ضرورت ہے۔

یہی وہ اصل نکتہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ دین کے معاملے میں اس موقع پر نظرانداز کر دیا تھا اور اسی کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے ابن ام مکتومؓ کے ساتھ آپؐ کے طرز عمل پر گرفت فرمائی۔ پھر آپؐ کو بتایا کہ داعی حق کی نگاہ میں حقیقی اہمیت کس چیز کی ہونی چاہیے اور کس کی نہ ہونی چاہیے۔

ایک وہ شخص ہے جس کی ظاہری حالت صاف بتا رہی ہے کہ وہ طالب حق ہے، اس بات سے ڈر رہا ہے کہ کہیں وہ باطل کی پیروی کر کے خدا کے غضب میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اس لیے وہ راہ راست کا علم حاصل کرنے کی خاطر خود چل کر آتا ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جس کا رویہ صریحاً یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اس میں حق کی کوئی طلب نہیں پائی جاتی، بلکہ وہ اپنے آپ کو اس سے بے نیاز سمجھتا ہے کہ اسے راہ راست بتائی جائے۔ ان دونوں قسم کے آدمیوں کے درمیان دیکھنے کی چیز یہ نہیں ہے کہ کون ایمان لے آئے تو دین کے لیے بہت مفید ہو سکتا ہے اور کس کا ایمان لانا دین کے فروغ میں کچھ زیادہ مفید نہیں ہو سکتا، بلکہ دیکھنا یہ چاہیے کہ کون ہدایت کو قبول کر کے سدھرنے کے لیے تیار ہے اور کون اس متاع گراں مایہ کا سرے سے قدر دان ہی نہیں ہے۔

پہلی قسم کا آدمی خواہ اندھا ہو، لنگڑا ہو، لولا ہو، فقیر بے نوا ہو، بظاہر دین کے فروغ میں کوئی بڑی خدمت انجام دینے کے قابل نظر نہ آتا ہو، بہرحال داعی حق کے لیے وہی قیمتی آدمی ہے، اسی کی طرف اسے توجہ کرنی چاہیے، کیونکہ اس دعوت کا اصل مقصد بندگان خدا کی اصلاح ہے، اور اس شخص کا حال یہ بتا رہا ہے کہ اسے نصیحت کی جائے گی تو وہ اصلاح قبول کر لے گا۔ رہا دوسری قسم کا آدمی تو خواہ وہ معاشرے میں کتنا ہی بااثر ہو، اس کے پیچھے پڑنے کی داعی حق کو کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کی روش علانیہ یہ بتا رہی ہے کہ وہ سدھرنا نہیں چاہتا۔ اس لیے اس کی اصلاح کی کوشش میں وقت صرف کرنا، وقت کا ضیاع ہے۔ وہ اگر نہ سدھرنا چاہے تو نہ سدھرے، نقصان اس کا اپنا ہو گا، داعی حق پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔

۶۔ تبلیغ کی حکمت

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ (العنکبوت ۲۹:۴۶)

اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقے سے۔

یعنی مباحثہ معقول دلائل کے ساتھ' مہذب و شائستہ زبان میں' اور افہام و تفہیم کی سپرٹ میں ہونا چاہیے تاکہ جس شخص سے بحث کی جا رہی ہو' اس کے خیالات کی اصلاح ہو سکے۔ مبلغ کو فکر اس بات کی ہونی چاہیے کہ وہ مخاطب کے دل کا دروازہ کھول کر حق بات اس میں اتار دے اور اسے راہ راست پر لائے۔ اس کو ایک پہلوان کی طرح نہیں لڑنا چاہیے جس کا مقصد اپنے مدمقابل کو نیچا دکھانا ہوتا ہے' بلکہ اس کو ایک حکیم کی طرح چارہ گری کرنی چاہیے جو مریض کا علاج کرتے ہوئے ہر وقت یہ بات ملحوظ رکھتا ہے کہ اس کی اپنی کسی غلطی سے مریض کا مرض اور زیادہ بڑھ نہ جائے اور اس امر کی پوری کوشش کرتا ہے کہ کم سے کم تکلیف کے ساتھ مریض شفایاب ہو جائے۔

یہ ہدایت اس مقام پر تو موقع کی مناسبت سے اہل کتاب کے ساتھ مباحثہ کرنے کے معاملے میں دی گئی ہے' مگر یہ اہل کتاب کے لیے مخصوص نہیں ہے' بلکہ تبلیغ دین کے باب میں ایک عام ہدایت ہے جو قرآن مجید میں جگہ جگہ دی گئی ہے' مثلاً:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ (النحل ۱۶:۱۲۵)

دعوت دو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ پند و نصیحت کے ساتھ' اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ

بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ○ (حم السجدہ ۴۱:۳۴)

بھلائی اور برائی یکساں نہیں ہیں' (مخالفین کے حملوں کی) مدافعت ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ وہی شخص جس کے اور تمھارے درمیان عداوت تھی' وہ ایسا ہو گیا جیسے گرم جوش دوست ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ط نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ○ (المومنون ۲۳:۹۶)

تم بدی کو اچھے ہی طریقے سے دفع کرو۔ ہمیں معلوم ہے جو باتیں وہ (تمھارے خلاف) بناتے ہیں۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ○ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ط اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ○ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ○ (الاعراف ۷:۱۹۹-۲۰۲)

اے نبیؐ' نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کرو' معروف کی تلقین کیے جاؤ اور جاہلوں سے نہ الجھو۔ اگر کبھی شیطان تمھیں اکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو' وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ حقیقت میں جو لوگ متقی ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال اگر انھیں چھو بھی جاتا ہے تو فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انھیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ ان کے لیے صحیح طریق کار کیا ہے۔ رہے ان کے (یعنی شیاطین کے) بھائی بند' تو وہ انھیں ان کی کج روی میں کھینچے لیے چلے جاتے ہیں اور انھیں بھٹکانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔

ان آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت و تبلیغ اور ہدایت و اصلاح کی

حکمت کے چند اہم نکات بتائے گئے ہیں اور مقصود صرف حضورؐ ہی کو تعلیم دینا نہیں ہے بلکہ حضورؐ کے ذریعے سے ان سب لوگوں کو یہی حکمت سکھانا ہے جو حضورؐ کے قائم مقام بن کر دنیا کو سیدھی راہ دکھانے کے لیے اٹھیں۔

ان نکات کو سلسلہ وار دیکھنا چاہیے:

نرم خوئی اور اعلیٰ ظرفی

داعی حق کے لیے' جو صفات سب سے زیادہ ضروری ہیں' ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسے نرم خو' متحمل اور عالی ظرف ہونا چاہیے۔ اس کو اپنے ساتھیوں کے لیے شفیق' عامتہ الناس کے لیے رحیم اور اپنے مخالفوں کے لیے حلیم ہونا چاہیے۔ اس کو اپنے رفقا کی کمزوریوں کو بھی برداشت کرنا چاہیے اور اپنے مخالفین کی سختیوں کو بھی۔ اسے شدید سے شدید اشتعال انگیز مواقع پر بھی اپنے مزاج کو ٹھنڈا رکھنا چاہیے۔ نہایت ناگوار باتوں کو بھی عالی ظرفی کے ساتھ ٹال دینا چاہیے۔ مخالفوں کی طرف سے کیسی ہی سخت کلامی' بہتان تراشی' ایذا رسانی اور شریرانہ مزاحمت کا اظہار ہو' اس کو درگزر ہی سے کام لینا چاہیے۔ سخت گیری' درشت خوئی' تلخ گفتاری اور منتقمانہ اشتعال طبع اس کام کے لیے زہر کا حکم رکھتا ہے اور اس سے کام بگڑتا ہے' بنتا نہیں ہے۔ اسی چیز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا ہے کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ: "غضب اور رضا' دونوں حالتوں میں انصاف کی بات کہوں' جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں' جو مجھے میرے حق سے محروم کرے' میں اسے اس کا حق دوں' جو میرے ساتھ ظلم کرے میں اس کو معاف کر دوں"۔ اسی چیز کی ہدایت آپؐ ان لوگوں کو دیتے تھے جنھیں آپؐ دین کے کام پر اپنی طرف سے بھیجتے تھے کہ بَشِّرُوْا وَلاَ تُنَفِّرُوْا وَيَسِّرُوْا وَلاَ تُعَسِّرُوْا یعنی "جہاں تم جاؤ وہاں تمھاری

آمد لوگوں کے لیے مژدۂ جاں فزا ہو نہ کہ باعث نفرت' اور لوگوں کے لیے تم سہولت کے موجب بنو نہ کہ تنگی و سختی کے"۔ اور اسی چیز کی تعریف اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمائی ہے کہ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ص (ال عمرٰن ۳:۱۵۹)۔ یعنی یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے نرم ہو' ورنہ اگر تم درشت خو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب لوگ تمھارے گردوپیش سے چھٹ جاتے۔

عام فہم دعوت

دعوت حق کی کامیابی کا گر یہ ہے کہ آدمی فلسفہ طرازی اور دقیقہ سنجی کے بجائے لوگوں کو معروف یعنی ان سیدھی اور صاف بھلائیوں کی تلقین کرے' جنھیں بالعموم سارے ہی انسان جانتے ہیں یا جن کی بھلائی کو سمجھنے کے لیے وہ عقل عام (common sense) کافی ہوتی ہے جو ہر انسان کو حاصل ہے۔ اس طرح داعی حق کی اپیل عوام و خواص سب کو متاثر کرتی ہے اور ہر سامع کے کان سے دل تک پہنچنے کی راہ آپ نکال لیتی ہے۔ ایسی معروف دعوت کے خلاف جو لوگ شورش برپا کرتے ہیں' وہ خود اپنی ناکامی اور اس دعوت کی کامیابی کا سامان فراہم کرتے ہیں کیونکہ عام انسان' خواہ وہ کتنے ہی تعصبات میں مبتلا ہوں' جب یہ دیکھتے ہیں کہ ایک طرف ایک شریف النفس اور بلند اخلاق انسان ہے جو سیدھی سیدھی بھلائیوں کی دعوت دے رہا ہے اور دوسری طرف بہت سے لوگ اس کی مخالفت میں ہر قسم کی اخلاق و انسانیت سے گری ہوئی تدبیریں استعمال کر رہے ہیں' تو رفتہ رفتہ ان کے دل خود بخود مخالفین حق سے پھرتے اور داعی حق کی طرف متوجہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ آخرکار میدان مقابلہ میں صرف وہ لوگ رہ جاتے ہیں جن کے ذاتی مفاد نظام باطل کے قیام ہی سے وابستہ ہوں' یا پھر جن کے دلوں میں تقلید اسلاف اور جاہلانہ

تعصّبات نے کسی روشنی کے قبول کرنے کی صلاحیت باقی ہی نہ چھوڑی ہو۔ یہی وہ حکمت تھی جس کی بدولت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں کامیابی حاصل ہوئی اور پھر آپؐ کے بعد تھوڑی ہی مدت میں اسلام کا سیلاب قریب کے ملکوں پر اس طرح پھیل گیا کہ کہیں ۱۰۰ فی صد اور کہیں ۸۰ اور ۹۰ فی صد باشندے مسلمان ہو گئے۔

معقول رویہ

اس دعوت کے کام میں یہ بات جتنی ضروری ہے کہ طالبین خیر کو معروف کی تلقین کی جائے' اتنی ہی یہ بات بھی ضروری ہے کہ جاہلوں سے نہ الجھا جائے' خواہ وہ الجھنے کی کتنی ہی کوشش کریں۔ داعی کو اس معاملے میں سخت محتاط ہونا چاہیے کہ اس کا خطاب صرف ان لوگوں سے رہے جو معقولیت کے ساتھ بات کو سمجھنے کے لیے تیار ہوں اور جب کوئی شخص جہالت پر اتر آئے اور حجت بازی' جھگڑالوپن اور طعن و تشنیع شروع کر دے تو داعی کو اس کا حریف بننے سے انکار کر دینا چاہیے۔ اس لیے کہ اس جھگڑے میں الجھنے کا حاصل کچھ نہیں ہے اور نقصان یہ ہے کہ داعی کی جس قوت کو اشاعت دعوت اور اصلاح نفوس میں خرچ ہونا چاہیے' وہ اس فضول کام میں ضائع ہو جاتی ہے۔

اسی سلسلے میں مزید ہدایت یہ ہے کہ جب کبھی داعی حق مخالفین کے ظلم اور ان کی شرارتوں اور ان کے جاہلانہ اعتراضات و الزامات پر اپنی طبیعت میں اشتعال محسوس کرے تو اسے فوراً سمجھ لینا چاہیے کہ یہ "نزغ شیطانی" (یعنی شیطان کی اکساہٹ) ہے اور اسی وقت اسے خدا کی پناہ مانگنی چاہیے کہ اپنے بندے کو اس جوش میں بہہ نکلنے سے بچائے اور ایسا بے قابو نہ ہونے دے کہ اس سے دعوت حق کو نقصان پہنچانے والی کوئی حرکت سرزد ہو جائے۔ دعوت حق کا کام بہرحال ٹھنڈے دل سے کیا جا سکتا ہے اور وہی قدم صحیح اٹھ سکتا ہے جو جذبات سے مغلوب ہو کر نہیں

بلکہ موقع و محل کو دیکھ کر' خوب سوچ سمجھ کر اٹھایا جائے۔ لیکن شیطان جو اس کام کو فروغ پاتے ہوئے کبھی نہیں دیکھ سکتا' ہمیشہ اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ اپنے بھائی بندوں سے داعی حق پر طرح طرح کے حملے کرائے اور پھر ہر حملے پر داعی حق کو اکسائے کہ اس حملے کا جواب تو ضرور ہونا چاہیے۔ یہ اپیل جو شیطان داعی کے نفس سے کرتا ہے' اکثر بڑی بڑی پرفریب تاویلوں اور مذہبی اصطلاحوں کے غلاف میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے' لیکن اس کی تہ میں بجز نفسانیت کے اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اسی لیے فرمایا کہ جو لوگ متقی (یعنی خدا ترس اور بدی سے بچنے کے خواہش مند) ہیں تو وہ اپنے نفس میں کسی شیطانی تحریک کا اثر اور کسی برے خیال کی کھٹک محسوس کرتے ہی فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انھیں صاف نظر آتا ہے کہ اس موقع پر دعوت دین کا مفاد کس طرز عمل کے اختیار کرنے میں ہے اور حق پرستی کا تقاضا کیا ہے۔ رہے وہ لوگ جن کے کام میں نفسانیت کی لاگ لگی ہوئی ہے اور اس وجہ سے جن کا شیاطین کے ساتھ بھائی چارے کا تعلق ہے' تو وہ شیطانی تحریک کے مقابلے میں نہیں ٹھیر سکتے اور اس سے مغلوب ہو کر غلط راہ پر چل نکلتے ہیں۔ پھر جس وادی میں شیطان چاہتا ہے انھیں لیے پھرتا ہے اور کہیں جا کر ان کے قدم نہیں رکتے۔ مخالف کی ہر گالی کے جواب میں ان کے پاس ایک گالی' اور ہر چال کے جواب میں اس سے بڑھ کر ایک چال' موجود ہوتی ہے۔

اہل تقویٰ کا طریقہ بالعموم اپنی زندگی میں غیر متقی لوگوں سے مختلف ہوتا ہے۔ جو لوگ حقیقت میں خدا سے ڈرنے والے ہیں اور دل سے چاہتے ہیں کہ برائی سے بچیں' ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ برے خیال کا ایک ذرا سا غبار بھی ان کے دل کو چھو جاتا ہے تو انھیں ویسی ہی کھٹک محسوس ہونے لگتی ہے جیسی کھٹک انگلی میں پھانس چبھ جانے یا آنکھ میں کسی ذرے کے گر جانے سے محسوس ہوتی ہے۔ چونکہ وہ برے خیالات' بری خواہشات اور بری نیتوں کے خوگر نہیں ہوتے' اس وجہ سے یہ چیزیں

ان کے لیے اسی طرح خلاف مزاج ہوتی ہیں جس طرح انگلی کے لیے پھانس' یا آنکھ کے لیے ذرہ یا ایک نفیس طبع اور صفائی پسند آدمی کے لیے کپڑوں پر سیاہی کا ایک داغ یا گندگی کی ایک چھینٹ۔ پھر جب یہ کھٹک انھیں محسوس ہو جاتی ہے تو ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور ان کا ضمیر بیدار ہو کر اس غبار شر کو اپنے اوپر سے جھاڑ دینے میں لگ جاتا ہے۔ بخلاف اس کے جو لوگ نہ خدا سے ڈرتے ہیں' نہ بدی سے بچنا چاہتے ہیں' اور جن کی شیطان سے لاگ لگی ہوئی ہوتی ہے' ان کے نفس میں برے خیالات' برے ارادے' برے مقاصد پکتے رہتے ہیں اور وہ ان گندی چیزوں سے کوئی اُبراہٹ اپنے اندر محسوس نہیں کرتے' بالکل اسی طرح جیسے کسی دیگچی میں سور کا گوشت پک رہا ہو اور وہ بے خبر ہو کہ اس کے اندر کیا پک رہا ہے' یا جیسے کسی بھنگی کا جسم اور اس کے کپڑے غلاظت میں لتھڑے ہوئے ہوں اور اسے کچھ احساس نہ ہو کہ وہ کن چیزوں میں آلودہ ہے۔

مخالفانہ ماحول میں دعوت

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ (حم السجدہ ۳۳:۴۱) اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہو گی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔

اللہ کی بندگی پر ثابت قدم ہو جانا اور اس راستے کو اختیار کر لینے کے بعد پھر اس سے منحرف نہ ہونا بجائے خود وہ بنیادی نیکی ہے جو آدمی کو فرشتوں کا دوست اور جنت کا مستحق بناتی ہے۔ اس سے آگے کا درجہ جس سے زیادہ بلند کوئی درجہ انسان کے لیے نہیں ہے' یہ ہے کہ تم خود نیک عمل کرو اور دوسروں کو اللہ کی بندگی کی طرف بلاؤ' اور شدید مخالفت کے ماحول میں بھی جہاں اسلام کا اعلان و اظہار کرنا اپنے اوپر

مصیبتوں کو دعوت دینا ہے' ڈٹ کر کہو کہ میں مسلمان ہوں۔

اس ارشاد کی پوری اہمیت سمجھنے کے لیے اس ماحول کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے جس میں یہ بات فرمائی گئی تھی۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ جو شخص مسلمان ہونے کا اظہار کرتا تھا' اسے یکایک یہ محسوس ہوتا تھا کہ گویا اس نے درندوں کے جنگل میں قدم رکھ دیا ہے جہاں ہر ایک اسے پھاڑ کھانے کو دوڑ رہا ہے اور اس سے آگے بڑھ کر جس نے اسلام کی تبلیغ کے لیے زبان کھولی' اس نے تو گویا درندوں کو پکار دیا کہ آؤ اور مجھے بھنبھوڑ ڈالو۔ ان حالات میں فرمایا گیا ہے کہ کسی شخص کا اللہ کو اپنا رب مان کر سیدھی راہ اختیار کر لینا اور اس سے نہ ہٹنا بلاشبہ اپنی جگہ بڑی اور بنیادی نیکی ہے لیکن کمال درجے کی نیکی یہ ہے کہ آدمی اٹھ کر کہے کہ میں مسلمان ہوں' اور نتائج سے بے پروا ہو کر اللہ کی بندگی کی طرف خلق خدا کو دعوت دے اور اس کام کو کرتے ہوئے اپنا عمل اتنا پاکیزہ رکھے کہ کسی کو اسلام اور اس کے علم برداروں پر حرف رکھنے کی گنجایش نہ ملے۔

بدی کا مقابلہ بہترین نیکی ہے

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ط اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ ○ (حم السجدہ ۴۱: ۳۴) اے نبیؐ ' نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ تمھارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔

اس ارشاد کی پوری معنویت سمجھنے کے لیے بھی وہ حالات نگاہ میں رہنے چاہییں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو' اور آپؐ کے واسطے سے آپؐ کے پیروؤں کو' یہ ہدایت دی گئی تھی۔ صورت حال یہ تھی کہ دعوت حق کا مقابلہ انتہائی ہٹ دھرمی

اور سخت جارحانہ مخالفت سے کیا جا رہا تھا۔ ہر طرح کے ہتھکنڈے آپؐ کو بدنام کرنے اور آپؐ کی طرف سے لوگوں کو بدگمان کرنے کے لیے استعمال کیے جا رہے تھے۔ طرح طرح کے الزامات آپؐ پر چسپاں کیے جا رہے تھے اور مخالفانہ پروپیگنڈا کرنے والوں کی ایک فوج کی فوج آپؐ کے خلاف دلوں میں وسوسے ڈالتی پھر رہی تھی۔ ہر قسم کی اذیتیں آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو دی جا رہی تھیں، جن سے تنگ آکر مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد ملک چھوڑ کر نکل جانے پر مجبور ہو گئی تھی۔ پھر آپؐ کی تبلیغ کو روک دینے کے لیے پروگرام یہ بنایا گیا تھا کہ ہلڑ مچانے والوں کا ایک گروہ ہر وقت آپؐ کی تاک میں لگا رہے اور جب بھی آپؐ دعوت حق کے لیے زبان کھولیں، اتنا شور برپا کر دیا جائے کہ کوئی آپؐ کی بات نہ سن سکے۔ یہ ایسے ہمت شکن حالات تھے جن میں بہ ظاہر دعوت کے تمام راستے مسدود نظر آتے تھے۔ اس وقت مخالفتوں کا زور توڑنے کے لیے یہ نسخہ حضورؐ کو بتایا گیا۔

پہلی بات یہ فرمائی گئی کہ نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ یعنی بہ ظاہر تمھارے مخالفین، بدی کا کیسا ہی خوف ناک طوفان اٹھا لائے ہوں جس کے مقابلے میں نیکی بالکل عاجز اور بے بس محسوس ہوتی ہو، لیکن بدی بجائے خود اپنے اندر وہ کمزوری رکھتی ہے جو آخرکار اس کا بھٹہ بٹھا دیتی ہے کیونکہ انسان جب تک انسان ہے اس کی فطرت بدی سے نفرت کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ بدی کے ساتھی ہی نہیں، خود اس کے علم بردار تک اپنے دلوں میں جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں، ظالم ہیں اور اپنی اغراض کے لیے ہٹ دھرمی کر رہے ہیں۔ یہ چیز دوسروں کے دلوں میں ان کا وقار پیدا کرنا تو درکنار، انھیں خود اپنی نظروں سے گرا دیتی ہے اور ان کے اپنے دلوں میں ایک چور بیٹھ جاتا ہے، جو ہر مخالفانہ اقدام کے وقت ان کے عزم و ہمت پر اندر سے چھاپا مارتا رہتا ہے۔ اس بدی کے مقابلے میں اگر وہی نیکی جو بالکل عاجز و بے بس نظر آتی ہے، مسلسل کام کرتی چلی جائے، تو آخرکار وہ غالب آکر رہتی ہے، کیونکہ اول تو نیکی میں

بجائے خود ایک طاقت ہے جو دلوں کو مسخر کرتی ہے اور آدمی خواہ کتنا ہی بگڑا ہوا ہو، اپنے دل میں اس کی قدر محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پھر جب نیکی اور بدی آمنے سامنے مصروف پیکار ہوں اور کھل کر دونوں کے جوہر پوری طرح نمایاں ہو کر منظرِعام پر آئیں تو ایسی حالت میں ایک مدت کی کش مکش کے بعد کم ہی لوگ ایسے باقی رہ سکتے ہیں جو بدی سے متنفر اور نیکی کے گرویدہ نہ ہو جائیں۔

دوسری بات یہ فرمائی گئی کہ بدی کا مقابلہ محض نیکی سے نہیں بلکہ اس نیکی سے کرو جو بہت اعلیٰ درجے کی ہو۔ یعنی کوئی شخص تمھارے ساتھ برائی کرے اور تم اس کو معاف کر دو، یہ محض نیکی ہے۔ اعلیٰ درجے کی نیکی یہ ہے کہ جو تم سے برا سلوک کرے تم موقع آنے پر اس کے ساتھ احسان کرو۔

اس کا نتیجہ یہ بتایا گیا ہے کہ بدترین دشمن بھی آخر کار جگری دوست بن جائے گا، اس لیے کہ یہی انسانی فطرت ہے۔ گالی کے جواب میں آپ خاموش رہ جائیں، بے شک یہ ایک نیکی ہو گی، مگر گالی دینے والے کی زبان بند نہ کر سکے گی لیکن اگر آپ گالی کے جواب میں دعاے خیر کریں تو بڑے سے بڑا بے حیا مخالف بھی شرمندہ ہو کر رہ جائے گا اور مشکل ہی سے کبھی اس کی زبان آپ کے خلاف بدکلامی کے لیے کھل سکے گی۔ کوئی شخص آپ کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا ہو اور آپ اس کی زیادتیاں برداشت کرتے چلے جائیں تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی شرارتوں پر اور زیادہ دلیر ہو جائے۔ لیکن اگر کسی موقع پر اسے نقصان پہنچ رہا ہو اور آپ اسے بچالیں تو وہ آپ کے قدموں میں آ رہے گا، کیونکہ کوئی شرارت مشکل ہی سے اس نیکی کے مقابلے میں کھڑی رہ سکتی ہے۔ تاہم اس قاعدے کلیے کو اس معنی میں لینا درست نہیں ہے کہ اس اعلیٰ درجے کی نیکی سے لازماً ہر دشمن جگری دوست ہی بن جائے گا۔ دنیا میں ایسے خبیث النفس لوگ بھی ہوتے ہیں کہ آپ ان کی زیادتیوں سے درگزر کرنے اور ان کی برائی کا جواب بھلائی سے دینے میں خواہ کتنا ہی

کمال کر دکھائیں' ان کے نیش عقرب کا زہریلا پن ذرہ برابر بھی کم نہیں ہوتا۔ لیکن اس طرح کے شر مجسم انسان قریب قریب اتنے ہی کم پائے جاتے ہیں جتنے خیر مجسم انسان کمیاب ہیں۔

صبر اور پختہ عزم

وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِيْمٍ ○ (حم السجدہ ۳۵:۴۱) یہ صفت نصیب نہیں ہوتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں' اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیبے والے ہیں۔

یعنی یہ نسخہ ہے تو بڑا کارگر' مگر اسے استعمال کرنا کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے۔ اس کے لیے بڑا دل گردہ چاہیے۔ اس کے لیے بڑا عزم' بڑا حوصلہ' بڑی قوت برداشت اور اپنے نفس پر بہت بڑا قابو درکار ہے۔ وقتی طور پر ایک آدمی کسی بدی کے مقابلے میں بڑی نیکی برت سکتا ہے۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے لیکن جہاں کسی شخص کو سالہا سال تک ان باطل پرست اشرار کے مقابلے میں حق کی خاطر لڑنا پڑے جو اخلاق کی کسی حد کو پھاند جانے میں تامل نہ کرتے ہوں' اور پھر طاقت اور اختیارات کے نشے میں بھی بدمست ہو رہے ہوں' وہاں بدی کا مقابلہ نیکی اور وہ بھی اعلیٰ درجے کی نیکی سے کرتے چلے جانا اور کبھی ایک مرتبہ بھی ضبط کی باگیں ہاتھ سے نہ چھوڑنا' کسی معمولی آدمی کے بس کا کام نہیں ہے۔ یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جو ٹھنڈے دل سے حق کی سربلندی کے لیے کام کرنے کا پختہ عزم کر چکا ہو۔ جس نے پوری طرح اپنے نفس کو عقل و شعور کے تابع کر لیا ہو' جس کے اندر نیکی و راستی ایسی گہری جڑیں پکڑ چکی ہو کہ مخالفین کی کوئی شرارت و خباثت بھی اسے اس کے مقام بلند سے نیچے اتار لانے اور بے صبر کر دینے میں کامیاب نہ ہو سکتی ہو۔

اور یہ جو فرمایا کہ: "یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیبے والے ہیں" تو یہ قانون فطرت ہے۔ بڑے ہی بلند مرتبے کا انسان ان صفات سے متصف ہوا کرتا ہے اور جو

شخص یہ صفات رکھتا ہو' اسے دنیا کی کوئی طاقت بھی کامیابی کی منزل تک پہنچنے سے نہیں روک سکتی۔ یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں ہے کہ گھٹیا درجے کے لوگ اپنی کمینہ چالوں' ذلیل ہتھکنڈوں اور رکیک حرکتوں سے اس کو شکست دے دیں۔

اشتعال انگیزی سے اجتناب

وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ (حم السجدہ ۴۱:۳۶) اور اگر تم شیطان کی طرف سے کوئی اکساہٹ محسوس کرو تو اللہ کی پناہ مانگ لو۔

شیطان کو سخت تشویش لاحق ہوتی ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ حق و باطل کی جنگ میں کمینگی کا مقابلہ شرافت کے ساتھ اور بدی کا مقابلہ نیکی کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح ایک ہی مرتبہ سہی' حق کے لیے لڑنے والوں' اور خصوصاً ان کے سربرآوردہ لوگوں' اور سب سے بڑھ کر ان کے رہنما سے کوئی ایسی غلطی کروا دے جس کی بنا پر عامتہ الناس سے یہ کہا جا سکے کہ دیکھیے صاحب' برائی یک طرفہ نہیں ہے' ایک طرف سے اگر گھٹیا حرکتیں کی جا رہی ہیں تو دوسری طرف کے لوگ بھی کچھ بہت اونچے درجے کے انسان نہیں ہیں' فلاں رکیک حرکت تو آخر انھوں نے بھی کی ہے۔ عامتہ الناس میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ ٹھیک انصاف کے ساتھ ایک طرف کی زیادتیوں اور دوسری طرف کی جوابی کارروائی کے درمیان موازنہ کر سکیں۔ وہ جب تک یہ دیکھتے رہتے ہیں کہ مخالفین ہر طرح کی ذلیل حرکتیں کر رہے ہیں' مگر یہ لوگ شائستگی و شرافت اور نیکی و راست بازی کے راستے سے ذرا نہیں ہٹتے' اس وقت تک وہ ان کا گہرا اثر قبول کرتے رہتے ہیں لیکن اگر کہیں ان کی طرف سے کوئی بے جا حرکت یا ان کے مرتبے سے گری ہوئی کوئی حرکت سرزد ہو جائے' خواہ وہ کسی بہت ہی بڑی زیادتی کے جواب ہی میں کیوں نہ ہو' تو ان کی نگاہ میں دونوں برابر ہو جاتے ہیں' اور مخالفین کو بھی ایک سخت بات کا جواب ہزار گالیوں

سے دینے کا بہانہ مل جاتا ہے۔

اسی بنا پر ارشاد ہوا کہ شیطان کے فریب سے چوکنے رہو۔ وہ بڑا دردمند اور خیرخواہ بن کر تمھیں اشتعال دلائے گا کہ فلاں زیادتی تو ہرگز برداشت نہ کی جانی چاہیے' اور فلاں بات کا تو منہ توڑ جواب دیا جانا چاہیے اور اس حملے کے جواب میں تو لڑ جانا چاہیے' ورنہ تمھیں بزدل سمجھا جائے گا اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ ایسے ہر موقع پر جب تمھیں اپنے اندر اس طرح کا کوئی نامناسب اشتعال محسوس ہو تو خبردار ہو جاؤ کہ یہ شیطان کی اکساہٹ ہے جو غصہ دلا کر تم سے کوئی غلطی کرانا چاہتا ہے اور خبردار ہو جانے کے بعد اس زعم میں نہ مبتلا ہو جاؤ کہ میں اپنے مزاج پر بڑا قابو رکھتا ہوں' شیطان مجھ سے کوئی غلطی نہیں کرا سکتا۔ یہ اپنی قوت فیصلہ اور قوت ارادی کا زعم شیطان کا دوسرا اور زیادہ خطرناک فریب ہو گا۔ اس کے بجائے تم کو خدا سے پناہ مانگنی چاہیے کیونکہ وہی توفیق دے اور حفاظت کرے تو آدمی غلطیوں سے بچ سکتا ہے۔

اس مقام کی بہترین تفسیر وہ واقعہ ہے' جو امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بے تحاشا گالیاں دینے لگا۔ حضرت ابوبکرؓ خاموشی کے ساتھ اس کی گالیاں سنتے رہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم انھیں دیکھ کر مسکراتے رہے۔ آخرکار جناب صدیقؓ کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور انھوں نے بھی جواب میں ایک سخت بات کہہ دی۔ ان کی زبان سے وہ بات نکلتے ہی حضورؐ پر شدید انقباض طاری ہوا جو چہرۂ مبارک پر نمایاں ہونے لگا اور آپؐ فوراً اٹھ کر تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی اٹھ کر آپؐ کے پیچھے ہو لیے اور راستے میں عرض کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ وہ مجھے گالیاں دیتا رہا اور آپؐ خاموش مسکراتے رہے مگر جب میں نے اسے جواب دیا تو آپؐ ناراض ہو گئے؟ فرمایا: "جب تک تم خاموش تھے'

ایک فرشتہ تمھارے ساتھ رہا اور تمھاری طرف سے اس کو جواب دیتا رہا' مگر جب تم بول پڑے تو فرشتے کی جگہ شیطان آگیا۔ میں شیطان کے ساتھ تو نہیں بیٹھ سکتا تھا"۔

بے غرض ہونا

دعوت حق میں داعی کا ہر ذاتی غرض سے پاک ہونا' اس کے مخلص اور راست باز ہونے کی ایک نہایت اہم اور صریح دلیل ہے۔ قرآن پاک میں بار بار فرمایا گیا ہے کہ نبی دعوت الی اللہ کا جو کام کر رہا ہے' اس سے خود اس کی کوئی غرض وابستہ نہیں ہے' بلکہ وہ صرف خلق خدا کی بھلائی کے لیے اس کام میں اپنی جان کھپا رہا ہے۔

سورہ انعام میں فرمایا:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْراً ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ (٦: ٩٠) اے نبیؐ' کہہ دو کہ میں (اس تبلیغ و ہدایت کے) کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں' یہ تو ایک عام نصیحت ہے تمام دنیا والوں کے لیے۔

سورہ یوسف میں فرمایا:

وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (١٢: ١٠٤) اور اے نبیؐ' تم اس کام پر ان سے کوئی اجر نہیں مانگ رہے ہو۔ یہ تو ایک نصیحت ہے جو دنیا والوں کے لیے عام ہے۔

سورہ مومنون میں فرمایا:

اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ (٢٣: ٧٢) اے نبیؐ' کیا تم ان سے کچھ مانگ رہے ہو؟ تمھارے لیے تمھارے رب کا دیا ہی بہتر ہے اور وہ بہترین رازق ہے۔

یعنی کوئی شخص ایمان داری کے ساتھ آپؐ پر یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ آپؐ یہ سارے پاپڑ اس لیے بیل رہے ہیں کہ کوئی نفسانی غرض آپؐ کے پیش نظر ہے۔

اچھی خاصی تجارت چمک رہی تھی' اب افلاس میں مبتلا ہو گئے۔ قوم میں عزت کے ساتھ دیکھے جاتے تھے' ہر شخص ہاتھوں ہاتھ لیتا تھا' اب گالیاں اور پتھر کھا رہے ہیں' بلکہ جان تک کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ چین سے اپنے بیوی بچوں میں ہنسی خوشی دن گزار رہے تھے' اب ایک ایسی سخت کش مکش میں پڑ گئے ہیں جو کسی دم قرار نہیں لینے دیتی۔ اس پر مزید یہ کہ بات وہ لے کر اٹھے ہیں جس کی بدولت سارا ملک دشمن ہو گیا ہے' حتیٰ کہ خود اپنے بھائی بند خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ ایک خود غرض آدمی کے کرنے کا کام ہے؟ خود غرض آدمی اپنی قوم اور قبیلے کے تعصبات کا علم بردار بن کر جوڑ توڑ سے سرداری حاصل کرنے کی کوشش کرتا' نہ کہ وہ بات لے کر اٹھتا جو صرف یہی نہیں کہ تمام قومی تعصبات کے خلاف ایک چیلنج ہے' بلکہ سرے سے اس چیز کی جڑ ہی کاٹے دے رہی ہے جس پر مشرکین عرب میں اس کے قبیلے (قریش) کی چودھراہٹ قائم ہے۔

سورہ طور اور سورہ القلم میں فرمایا:

اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ○ (طور ۵۲: ۴۰' القلم ۶۸:۴۶)

اے نبیؐ' کیا تم ان سے کوئی اجر مانگ رہے ہو کہ یہ زبردستی پڑی ہوئی چٹی کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہوں؟

سوال کا اصل روئے سخن حضورؐ کی طرف نہیں بلکہ کفار کی طرف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر رسول تم سے کوئی غرض رکھتا اور اپنی کسی ذاتی منفعت کے لیے یہ ساری دوڑ دھوپ کر رہا ہوتا تو اس سے تمھارے بھاگنے کی کم از کم ایک معقول وجہ تو ہوتی۔ مگر تم خود جانتے ہو کہ وہ اپنی اس دعوت میں بالکل بے غرض ہے اور محض تمھاری بھلائی کے لیے اپنی جان کھپا رہا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم اس کی بات ٹھنڈے دل سے سننے تک کے روادار نہیں ہو؟ اس سوال میں ایک لطیف تعریض بھی ہے۔ ساری دنیا کے بناوٹی پیشواؤں اور مذہبی آستانوں کے مجاوروں کی طرح

عرب میں بھی مشرکین کے پیشوا اور پنڈت اور پروہت کھلم کھلا مذہبی کاروبار چلا رہے تھے۔ اس پر یہ سوال ان کے سامنے رکھ دیا گیا کہ ایک طرف یہ مذہب کے تاجر ہیں جو علانیہ تم سے نذریں اور نیازیں اور ہر مذہبی خدمت کی اجرتیں طلب کر رہے ہیں۔ دوسری طرف ایک شخص کامل بے غرضی کے ساتھ' بلکہ اپنے تجارتی کاروبار کو برباد کر کے تمھیں نہایت معقول دلائل سے دین کا سیدھا راستہ دکھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اب یہ صریح بے عقلی نہیں تو اور کیا ہے کہ تم اس سے بھاگتے اور ان کی طرف دوڑتے ہو؟

عقیدہ آخرت پر زور

مکہ معظمہ میں جب اول اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ کا آغاز کیا تو اس کی بنیاد تین چیزیں تھیں۔ ایک یہ بات کہ اللہ کے ساتھ کسی کو خدائی میں شریک نہ مانا جائے۔ دوسری یہ کہ آپؐ کو اللہ نے اپنا رسول مقرر کیا ہے۔ تیسری یہ کہ اس دنیا کا ایک روز خاتمہ ہو جائے گا اور اس کے بعد ایک دوسرا عالم برپا ہو گا جس میں تمام اولین و آخرین دوبارہ زندہ کر کے اسی جسم کے ساتھ اٹھائے جائیں گے جس میں رہ کر انھوں نے دنیا میں کام کیا تھا' پھر ان کے عقائد اور اعمال کا حساب لیا جائے گا اور اس محاسبے میں جو لوگ مومن و صالح ثابت ہوں گے' وہ ہمیشہ کے لیے جنت میں جائیں گے اور جو کافر و فاسق ہوں گے' وہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہیں گے۔

پہلی دو باتیں اہل مکہ کے لیے دراصل اتنی زیادہ الجھن کی موجب نہ تھیں جتنی تیسری بات تھی۔ اس کو جب ان کے سامنے پیش کیا گیا تو انھوں نے سب سے زیادہ اسی کا مذاق اڑایا۔ اسی پر سب سے بڑھ کر حیرانی اور تعجب کا اظہار کیا اور اسے بالکل بعید از عقل و امکان سمجھ کر جگہ جگہ اس کے ناقابل تصور ہونے کے چرچے شروع

کر دیے۔ مگر اسلام کی راہ پر ان کو لانے کے لیے یہ قطعی ناگزیر تھا کہ آخرت کا عقیدہ ان کے ذہن میں اتارا جائے' کیونکہ اس عقیدے کو مانے بغیر یہ ممکن ہی نہ تھا کہ حق اور باطل کے معاملے میں ان کا طرز فکر سنجیدہ ہو سکتا' خیروشر کے معاملے میں ان کا معیار اقدار بدل سکتا اور وہ دنیا پرستی کی راہ چھوڑ کر اس راہ پر ایک قدم بھی چل سکتے جس پر اسلام ان کو چلانا چاہتا تھا (**سیرت سرور عالم**ؐ ج ۲' ص ۱۶۵ تا ۱۸۸)۔

[اس انتخاب میں وہ تمام اصولی ہدایات جمع کر دی گئیں ہیں جو قرآن و سیرتؐ کی روشنی میں ایک داعی الی اللہ کے لیے ضروری ہیں۔ وہ ہدایات یہ ہیں: ۱- دعوت میں حکمت کا لحاظ' ۲- ٹھنڈا اور سنجیدہ اسلوب' ۳- داعی کا دائرہ کار اور ذمہ داری' ۴- تبلیغ کا آسان طریقہ' ۵- اہمیت کے حامل لوگ' ۶- تبلیغ کی حکمت' ۷- نرم خوئی اور اعلیٰ ظرفی' ۸- عام فہم دعوت' ۹- معقول رویہ' ۱۰- مخالفانہ ماحول میں دعوت' ۱۱- بدی کا مقابلہ بہترین نیکی سے' ۱۲- صبر اور پختہ عزم' ۱۳- اشتعال انگیزی سے اجتناب' ۱۴- بے غرض ہونا' ۱۵- عقیدہ آخرت پر زور۔ نبی کریمؐ کو ایک داعی کی حیثیت سے جن اصولی ہدایات اور دعوت کے بنیادی تقاضوں سے آگہی نیز طریق کار کے حوالے سے جس رہنمائی کی ضرورت تھی' اللہ نے وہ آپؐ کو دی۔ اس طرح نبی کریمؐ کے توسط سے ہر داعی دین کے لیے اصولی رہنمائی اور بنیادی خطوط کا تعین کر دیا گیا ہے۔ مختلف ادوار میں وقت کے تقاضوں کے لحاظ سے دعوت کے لیے حکمت عملی یقیناً بدلتی رہے گی مگر دعوت کا اسلوب اور طریق کار کا بنیادی ڈھانچہ انھی اصولوں پر قائم رہے گا اور امت مسلمہ کے لیے تاقیامت رہنمائی کا ذریعہ بنا رہے گا]۔

(تدوین: سلیم منصور خالد' ترجمان القرآن' اپریل' جون ۲۰۰۰ء)